© rasailojaraid.com

مفتی صاحبؒ سے ایک ذاتی اور علمی مذاکرہ

نلگنڈہ (حیدرآباد) کے ایک صحیفہ نگار ابن غوری نے ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو مفتی صاحبؒ سے ایک ذاتی انٹرویو لیا تھا۔ اس انٹرویو کے کچھ سوال و جواب پیش نظر ہیں:۔

س:۔ کن اشخاص سے آپ نے (اپنی شخصیت کی تشکیل میں) گہرا اثر قبول کیا؟ اور کس طرح؟ سب سے زیادہ متاثر کن کس کی شخصیت رہی۔؟

ج:۔ علمی اعتبار سے تو میں سب سے زیادہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری سے متاثر ہوا۔ علاوہ اس کے کہ وہ ہمارے سب سے بڑے استاد تھے۔ یوں بھی بے مثال محدث اور عالمِ دین تھے اور جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے۔ مجموعی اعتبار سے سینکڑوں سال بعد ایسی جامع علوم عقلیہ و نقلیہ ہستی پیدا ہوئی۔

اردو ادب کا جہاں تک تعلق ہے یوں تو مختلف اہلِ قلم کا اثر مجھ پر پڑا لیکن علمی اور مذہبی چیزوں کو مذہب سے متعلق کرنے کا جہاں تک تعلق ہے مولانا شبلی کا سب سے زیادہ اثر پڑا۔ اور اسی کے ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد۔

سیاسی اعتبار سے ہمارے رہنما حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب تھے۔ اگرچہ ان کا انتقال میری جوانی ہی میں ہو گیا تھا، پھر بھی ان سے قریب رہنے کا موقع ملا۔ اور ان کے خاص شاگردوں مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا عبیداللہ سندھی سے استفادہ کا موقع ملا۔ اور قدرتی طور پر طبیعت پر اس کا اثر پڑا۔

جہاں تک خالص فقہی اور تزکیہ باطن کا تعلق ہے، مجھ پر سب سے زیادہ اثر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے والد ماجد مفتی عزیز الرحمان صاحب کا رہا۔ مرحوم اپنے دور کے سب سے بڑے مفتی تھے۔ ان ہی کی تربیت میں مجھے بھی یہ کام کرنے کا موقع ملا۔ یوں تو تمام طریقوں میں وہ بیعت کرتے تھے، لیکن طریقہ نقشبندیہ میں خاص طور پر۔ اپنے دور میں اس طریقہ کار کی اشاعت میں مرحوم کا بہت بڑا دخل ہے۔ وہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے بھی مجاز خاص تھے۔ اور حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب مجددی نقشبندی مہتمم اول دارالعلوم دیوبند کے خلیفہ اول بھی۔

س :۔ کن کتابوں اور مصنفین نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔؟

ج :۔ مجموعی اعتبار سے یوں تو بہت سی کتابوں اور حضرات مصنفین کا اثر پڑا۔ اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری کی خدمت میں رہ کر بہت سی اہم کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا۔ پھر بھی خاص طور پر علامہ شیخ ابن ہمام، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، علامہ شاطبی اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیفات سے زیادہ استفادہ کا موقع ملا ــــ جہاں تک اردو مصنفین اور تصنیفات کا تعلق ہے خالص ادبی نقطۂ نظر سے ڈپٹی نذیر احمد کی اصلاحی کتابیں، ان کا ترجمہ قرآن، محمد حسین آزاد کی بعض خالص ادبی کتب، مولانا حالی اور مولانا شبلی کی تصنیفات کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اور آخر میں مولانا آزاد کے ترجمان القرآن سے استفادہ ہوا، جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے عظیم الشان کارنامہ ہے۔

جہاں تک درسی کتابوں کا تعلق ہے ان میں دوسری کتابوں کے علاوہ ہدایہ، بیضاوی، قاضی مبارک ــــ اور متوسط کتابوں میں مختصر المعانی اور شرح جامی سے بہت ہی فائدہ ہوا ــــ اور دورۂ حدیث جو دیوبند میں خاص طور سے پڑھایا جاتا ہے۔ خاص طور سے بخاری شریف اور ترمذی شریف مولانا انور شاہ صاحب سے پڑھنے کا موقع ملا۔ اس لئے قدرتی طور پر اس سے زیادہ فائدہ پہنچا۔ بلکہ درسی زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں انقلاب ہی آگیا، کہا جاسکتا ہے۔

س ۵۔ آپ کے پسندیدہ شعراء اور مصنفین۔؟

ج ۵۔ شعر کی دنیا بہت وسیع ہے اور ہر ایک کا ذوق الگ ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے بچپن میں جب شاعر کے نغمے زیادہ گونجتے تھے وہ مرزا داغ تھے۔ اور اس وقت سب ہی ادبی محفلوں میں اس کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اور لوگ اسی رنگ میں کہنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لئے مجھ پر نقش اول کے طور پر اس کا اثر پڑا۔ چنانچہ ان کے مطبوعہ دیوان کے پڑھنے اور یاد کرنے کا موقع ملا۔ ان کے بعد جب شعور اور بڑھا اور ذوق میں کچھ پختگی آنے لگی۔ تو پھر چند مشہور شعراء ذوق، غالب، مومن کا کلام پڑھنے کا موقع ملا۔ ہمارے گھرانے میں خاص طور سے مرزا ذوق کا بہت چرچا تھا۔ اور اپنے بچپن میں ہم نے زیادہ ان ہی کا نام سُنا تھا اور اپنے بزرگوں سے ذوق کے بہت سے اشعار سُنے تھے۔ پھر جب خود مطالعہ کا وقت آیا تو ذاتی طور پر غالب کے دیوان کا اثر پڑا خالص تغزل کے اعتبار سے مومن خاں کی غزلوں میں اور ان کے تخیل کی نزاکت میں اور اس ربط میں کہ جو عاشق و معشوق کے درمیان ہوتا ہے۔ مومن خاں نے اس کو جس نفاست اور جس باریکی سے بیان کیا ہے۔ اس کا زیادہ اثر ہوا۔ اپنے دور کے شاعروں میں قریباً سبھی کو براہ راست سننے اور دیکھنے کا موقع ملا۔ خاص طور پر حسرت موہانی، جگر، فانی، اصغر۔ اور سیاسی، اجتماعی اور ملی شاعری کے اعتبار سے ڈاکٹر اقبال کے کلام کا نہ صرف غیر معمولی اثر پڑا۔ بلکہ اس سے اجتماعی زندگی کی بہت سی لائنوں کو روشنی ملی۔ اب سے ۴۰ - ۵۰ سال پہلے جبکہ علامہ اقبال کی بعض خاص نظموں کا عام چرچا ہوا تھا۔ میں نے بھی ان کو بڑے ذوق سے پڑھا، یاد کیا، خصوصاً ان کی نظم شمع اور شاعر، طلوع اسلام، شکوہ جواب شکوہ، اور بہت سی غزلیں ذوق و شوق سے پڑھیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد اقبال کے

© rasailojaraid.com

مذاق میں جو پختگی آئی اور ایک خاص رنگ پیدا ہوا۔ اس کو بھی میں نے محسوس کیا اور پھر ضربِ کلیم اور بالِ جبریل وغیرہ سے فائدہ اٹھایا۔

س :۔ آپ کتنی زبانوں سے واقف ہیں۔؟

ج :۔ اصل زبان تو میری اردو ہے۔ فارسی باقاعدہ پڑھی، ۷-۸ سال تک اور اسی طرح ۸-۹ سال تک عربی پڑھی۔ اور بقدرِ ضرورت انگریزی بھی سمجھ لیتا ہوں، اور پڑھ لیتا ہوں۔

س :۔ آپ کی ذاتی لائبریری کتنی کتابوں پر مشتمل ہے؟ کوئی نایاب کتاب؟

ج :۔ لائبریری اگرچہ مختصر ہے مگر اس میں عربی کی تقریباً تمام ہی علوم وفنون کی اہم اور ضروری کتابیں موجود ہیں۔

س :۔ چند پسندیدہ اشعار ارشاد فرمائیں۔

ج :۔ تری خاک میں ہو اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شبینہ پر ہے مدارِ قوتِ حیدری
گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کبھی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

ؔ

ذوق بے پروا گیا، فکرِ فلک پیما گیا
تیری محفل میں نہ دیوانے نہ فرزانے رہے
رشتۂ الفت میں جب ان کو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے

س :۔ اپنی زندگی کا کوئی ناقابلِ فراموش واقعہ۔؟

ج :۔ زندگی میں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے ہیں، لیکن مجلس مشاورت کے

© rasailojaraid.com

اجتماع کے سلسلے میں جو دیوبند میں ہوا تھا۔ وہاں ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ جو

ناقابل فراموش ہے۔ یعنی یہ کہ کچھ ہمارے سیاسی حریفوں نے دارالعلوم کے بعض طلبہ کو مشتعل کر کے اس اجتماع کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔ اور مجھ پر بے تحاشہ لاٹھیوں سے حملہ کر دیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس وقت میری جان کس طرح بچی۔ لیکن رہ رہ کر یہ خیال آتا رہا۔ کہ میں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ طلبہ کے جذبات کو سمجھنے اور ان کی خدمت میں صرف کیا ہے۔ اس پر میرے ساتھ اس طرح کا معاملہ، بہت غور کرتا ہوں سمجھ میں نہیں آتا۔

س:۔ آپ کی شدید خواہش کیا ہے۔؟

ج:۔ آرزو یہ ہے کہ ملت کے مشترک مسائل اور مصائب میں ان کو سمجھنے اور حل کرنے کے لئے کوئی ایسا مشترک پلیٹ فارم ہو، جو خیالات کے اختلاف کے باوجود اس میں سب ایک آواز ہوں۔ اور اس آواز میں ایک ایسی طاقت پیدا ہو، کہ جو خیالات کے اختلافات پر غالب رہے۔ اسی کے لئے میں کوشاں ہوں۔ اور جی چاہتا ہے۔ کہ......

س:۔ اطمینانِ قلب کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔؟

ج:۔ قرآن مجید کی رو سے تو اطمینان قلب کا ذریعہ صرف خدا کی یاد ہے۔ لیکن خدا کی یاد کس طرح ہو؟ اس کا کیا طریقہ ہو؟ کس طرح زندگی میں اس کو مؤثر بنایا جائے یہ ایک طویل بات ہے۔ پھر بھی قناعت کی زندگی اختیار کرنا، کسی سے کوئی توقع نہ رکھنا اور جس راستے اور طریقے کو صحیح سمجھیں اس پر دانائی، احتیاط اور حکمت عملی سے چلتے رہنا بھی اطمینانِ قلب کے ذریعے ہیں۔

س:۔ راقم الحروف کو کوئی نصیحت فرمائیں۔

ج:۔ بڑی باتوں کے لئے چھوٹی باتوں کو نظر انداز اور یہ سمجھنا کہ اصلاً ہماری زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مقاصد مشترک ہیں۔ ان کے حصول کے لئے راستے کی دشواریوں کو حکمت عملی سے دور کرنا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ سب سے بڑا امتحان تو زمانہ ہے۔ اس کی جو گردشیں ہیں، لیل و نہار کی، وہی انسان کو صحیح راستہ دکھاتی ہیں ——— محاسبہ نفس سب سے بڑی چیز ہے۔ اگر انسان اس کا پابند ہو جائے تو اس کی زندگی کی بہت سی مشکلیں دور ہو سکتی ہیں۔

ایک اور صحافتی مُذاکرہ

ایڈیٹر ماہنامہ شبستان دہلی کا انٹرویو جو جولائی ۱۹۷۹ء میں دفتر ندوۃ المصنفین میں لیا گیا۔

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے لکھنؤ کے حالیہ شیعہ سُنّی فساد کے بارے میں میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا "تیرہ سو پُرانا اختلاف اتنی بھیانک کروٹ لے سکتا ہے یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ میں ابھی چند دن قبل ایک مصالحتی مشن لے کر لکھنؤ گیا تھا۔ میں نے وہاں شیعہ سُنّی فساد کی جو تفصیل سنی۔ اس نے میری آنکھوں میں آنسو چھلکا دیئے۔ میرے تصور میں بھی نہ تھا کہ ایک مسلمان ایک مسلمان کا گھر جلا سکتا ہے۔ مسلمان ہوتے ہوئے مسلمان عورت کا اغوا کر سکتا ہے۔ اور کلمہ گو ہو کر ایک کلمہ گو کا قتل کر سکتا ہے۔

مفتی صاحب نے مزید کہا "آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ مجھے اس فساد میں سُنّی کا قصور نظر آیا یا شیعہ کا، اور میں کہتا ہوں کہ ظلم و زیادتی کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا ہے۔ لکھنؤ کے اس شرمناک فساد میں جس کا جو بس چلا وہ اس نے کیا، زیادتیاں دونوں نے کیں، دونوں درندے بن گئے، دونوں نے اپنا مذہب بھلا دیا۔ اور دونوں اسلام کو بھول گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نے وہاں جلی ہوئی مسجد بھی دیکھی اور جلا ہوا امام باڑہ بھی۔

انھوں نے غم و افسوس میں ڈوبی ہوئی آواز میں مزید کہا: "جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے۔ اس فساد کی اصل جڑ الیکشن ہے۔ ۱۹۷۷ء کے عام انتخاب کے بعد سے برابر ایسی صورتیں پیدا ہوتی رہیں جس سے دونوں طبقوں میں دُوری اور نفرت بڑھتی گئی۔ ورنہ جہاں تک سنی اور شیعہ عقائد کا تعلق ہے وہ سینکڑوں برس سے اختلافات کے باوجود باقی ہیں۔

انھوں نے کہا: "میرا اپنا خیال ہے کہ اس فساد کے جہاں اور افسوس ناک پہلو ہیں ان میں سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہ ہے کہ جن سنگھ کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں بھی فساد وہی صورت اختیار کر سکتا ہے، جو ہندو مسلم فساد میں ہوتا ہے اور میرے خیال میں مسلمانوں کو سبق دلانے کے لئے صرف یہی بات کافی ہے۔"

اپنے مصالحتی مشن کی سرگرمیوں کے بارے میں انھوں نے کہا: "ہم لوگوں نے دونوں طرف کے لیڈروں سے ملاقات کی اور اختلافات کی بنیادیں سمجھنے اور ان کو قریب لانے کی بڑی سخت کوشش کی۔ ہمیں اپنے مشن میں ایک بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے۔ ہمارے اس وفد کے جانے سے جہاں اور فائدے ہوئے وہاں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ عام مسلمان یہ سمجھنے لگے ہیں کہ چند اوپر کے انتہا پسند لوگوں کے علاوہ یہ فساد ان کے مفاد میں نہیں ہے ان مسلمانوں کی یہ دلی خواہش ہے۔ کہ ان کی زندگی معمول کے مطابق ہو جائے۔"

میرے ایک ضمنی سوال کے جواب میں انھوں نے مزید کہا: "میں گرفتار شدگان کی رہائی کی کوشش بھی کر رہا ہوں اور مجھے پوری امید ہے کہ اگلے ہفتے جب میں دوبارہ لکھنؤ جاؤں گا تو میرا مشن ایک بڑی حد تک کامیاب ہو جائے گا۔"

میں نے مفتی صاحب سے کہا: "اس فساد کی کچھ اور تفصیل بتائیے" انھوں نے بڑے درد بھرے لہجے میں کہا: "اور کچھ بتانے کی ہمت نہیں ہے ـــ بس یہ دعا مانگیے کہ میرا مصالحتی مشن کامیاب ہو جائے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفتی صاحب نے میرے سوال کا جواب کچھ اس انداز سے دیا تھا کہ میں ان کے خلوص، ان کی نیک نیتی اور ان کے جذبۂ اسلام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے نظریں گھما کر ان کے کمرے کا جائزہ لیا۔ اور یہ سوچا کہ واقعی عالم کی شان ہی نرالی ہوتی ہے۔ اس کی زندگی ہی سادہ نہیں ہوتی ہے۔ اس کا ماحول بھی سادہ ہوتا ہے۔

اپنی داستانِ حیات کے بارے میں میرے چند سوالوں کے جواب میں انھوں نے کہا۔

"میں دیوبند میں پیدا ہوا تھا۔ اور میں نے وہیں تعلیم پائی ہے۔ میرے والد مفتی عزیز الرحمٰن (مرحوم) دارالعلوم دیوبند کے مفتیٔ اعظم تھے۔ میں ہمیشہ سے قوم پرست رہا ہوں۔"

انھوں نے مزید کہا۔ "آج مسلم مجلسِ مشاورت کے ممبر کی حیثیت سے مجھ پر ملک کے بعض عناصر فرقہ پرستی کا الزام لگاتے ہیں۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں جب قرول باغ دہلی میں میرا مکان جلا دیا گیا تھا، میرے ندوۃ المصنفین کی ساری کتابیں نذرِ آتش کردی گئی تھیں۔ میرا لاکھوں روپے کا نقصان ہوگیا تھا۔ اور میں نے جامع مسجد کے ایک حجرے میں آکر پناہ لی تھی۔ اس وقت بھی میرے ذہن میں ایک لمحہ کے لئے بھی پاکستان جانے کا خیال نہیں آیا تھا، حالانکہ مجھے پاکستان آنے کے دعوت نامے مسلسل مل رہے تھے۔ اور ایک پُرسکون زندگی کا نقشہ میرے سامنے رکھا جا رہا تھا۔ میں یہاں بے سروسامانی کی حالت میں پڑا رہا مٹر کی روٹی کھاتا رہا۔ لیکن میں نے ہندوستان نہیں چھوڑا۔ اور ہندوستان کی محبت ہمیشہ میرے مصائب پر حاوی رہی۔

میں نے نچوں کہ اپنے پہلے ہی سوال کے جواب میں مولانا کے دردِ ملی کو محسوس کر لیا تھا اس لئے میں نے ان سے پوچھا۔ "مسلمانوں کے ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالی کا سبب یہ ہے کہ ان کی خود اپنی کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں خود آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا ہندوستانی مسلمانوں کو واقعی ایک سیاسی جماعت کی ضرورت ہے۔؟"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے میرے اس سوال کا جواب بڑی تفصیل سے دیا اور کہا "مجبوری یہ ہے کہ مشترکہ انتخاب کی موجودگی میں ایک علیحدہ جماعت بنانے سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیوں کہ سیاسی جماعت کا مطلب پارلیمانی سیاست میں حصہ لینا ہے۔ اور نئے حالات نے ملکی سیاست میں جو نیا نقشہ بنایا ہے۔ اس میں سیاسی جماعت بنا کر مسلمانوں کو کوئی مؤثر نمائندگی نہیں مل سکتی۔ کیوں کہ مسلمان بکھرے ہوئے ہیں اور یکجا نہیں ہیں۔"

انھوں نے مزید کہا "ایک دوسری مشکل یہ بھی ہے کہ جیسے ہی ہم نئی سیاسی جماعت کے قیام کے بارے میں سوچتے ہیں۔ ہمارا ذہن فوراً مسلم لیگ کی طرف چلا جاتا ہے کیونکہ مسلم لیگ ماضی میں ایک بڑی جماعت تھی اور آج بھی جنوبی ہند میں موجود ہے۔ کیفیت یہ ہے کہ دہلی، بہار اور یوپی میں مسلم لیگ کا نام آتے ہی ایک انتشار سا پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اکثریت کو ماضی کے واقعات یاد آنے لگتے ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جنوبی ہندستان کے مسلم لیگی لیڈروں نے بھی شمالی ہندستان میں مسلم لیگ کا قیام غیر مفید سمجھا۔"

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مفتی صاحب نے کہا "میں مانتا ہوں کہ ہندستان میں مسلمانوں نے اپنی سیاسی جماعت بنائی بھی تھی لیکن علیحدہ سیاسی جماعت بنانے کے تجربے بہتر ثابت نہیں ہوئے۔ یوپی میں صوبائی سطح پر مسلم مجلس قائم کی گئی۔ اور اس کو آگے بڑھانے کی بڑی کوشش کی گئی۔ لیکن حالیہ انتخاب میں مسلم مجلس کے ٹکٹ پر صرف تین ممبر کامیاب ہو سکے۔

مفتی صاحب اتنا کہہ کر چند لمحات کے لئے خاموش ہو گئے۔ اور وقت چاروں طرف بہتا رہا۔ اچانک انھوں نے ایک بالکل نئی بات کہی۔ انھوں نے کہا "لیکن یہ ممکن ہے کہ کل جب ملک کے عوام کا سیاسی شعور بیدار ہو کر پختہ ہو جائے اور حالات سازگار ہو جائیں۔ تو مسلمان اپنی مناسب نمائندگی کے لئے اپنی نشستوں کے تحفظ کا مطالبہ کریں اور پھر یہ کہیں کہ جداگانہ انتخاب کا طریقہ رائج کیا جائے۔"

مفتی صاحب کے یہ جملے سن کر میں حیرت سے ان کی طرف دیکھ ہی رہا تھا۔ کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے ایک تاریخی انکشاف بھی کیا۔ انھوں نے کہا" آزادی کے بعد جب نیا دستور بنایا جارہا تھا اور اچھوتوں کی نشستوں کا تحفظ کیا جارہا تھا۔ تو بعض مسلمان لیڈروں نے پنڈت جواہرلال نہرو کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ مسلمانوں کی نشستوں کا بھی تحفظ کر دیا جائے کیونکہ مخلوط انتخاب میں مسلمانوں کو مناسب نمائندگی نہ مل سکے گی۔ اس تجویز کے جواب میں پنڈت نہرو نے کہا" یہ بات ٹھیک نہیں ہوگی۔ کیونکہ میں تو اس کی توقع کرتا ہوں کہ مخلوط انتخاب میں مسلمانوں کو اپنے تناسب سے زیادہ نشستیں مل جائیں گی" چنانچہ بات آئی گئی ہوگئی۔

مفتی صاحب نے مزید کہا" لیکن اگر اس وقت مسلمان لیڈروں کی تجویز مان لی گئی ہوتی تو آج اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں ہماری کافی نمائندگی ہوتی جب کہ آج یہ حالت ہے۔ کہ صوبائی اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں ہمارے ممبروں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جارہی ہے۔ راجستھان اور مدھیہ پردیش میں مسلمانوں کی کافی آبادی ہے لیکن ان کی وہاں کی اسمبلیوں میں مناسب نمائندگی نہیں ہے۔ اور اس کا واحد سبب ہماری نشستوں کا عدم تحفظ ہے۔"

میں نے پوچھا" کیا ہندوستانی مسلمانوں میں ایسا کوئی نڈر اور بے باک لیڈر ہے، جو ہندوستانی مسلمانوں کی قیادت کرسکے؟" انھوں نے جواب میں کہا" کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر قیادت کے لئے ایک آدمی نہیں ملتا ہے تو چند دماغ مل کر یہ کام کر لیتے ہیں۔ بشرطیکہ ان سب کا اندازِ فکر اور طریقۂ کار ایک ہو۔ ایسا ہوتا ہے تو کچھ مدت بعد لیڈر کی شخصیت خود بخود ابھر آتی ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر انفرادی قیادت ملنے میں دیر ہے تو اجتماعی قیادت مہیا ہوسکتی ہے۔ کیونکہ مجھے فی الحال مسلمانوں میں کوئی ایک لیڈر نظر نہیں آرہا ہے۔ البتہ لوگ میدان میں آرہے ہیں۔ جیسے مسٹر بدرالدین طیب جی۔

میرا اگلا سوال تھا" کیا مسلمانوں کا مذہب اور سیاست الگ الگ ہے؟" انھوں نے جواب میں کہا" ہم سمجھتے ہیں دینِ اسلام زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے۔ اس لئے سیاست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی اس کے دائرہ کار اور دائرۂ عمل میں داخل ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے۔ کہ اسلام نے انفرادی زندگی کے اصول بھی بتائے ہیں :۔ اور اجتماعی زندگی کے بھی اس لئے قدرتی بات ہے کہ سیاست بھی اس کے دائرۂ عمل میں آتی ہے لیکن وقتی سیاست کی تنگ نظری جسے آپ ڈپلومیسی کہہ سکتے ہیں۔ اس پر ہم اسلام کے اس اصول کا اطلاق نہیں کر سکتے۔"

مفتی صاحب نے جواب دینے میں اتنی حق گوئی سے کام لیا تھا کہ مجھے ماضی کے وہ علمائے دین یاد آگئے۔ جنھوں نے پھانسیاں پائی تھیں، سرِ بازار کوڑے کھائے تھے۔ جیلوں میں اپنی زندگی گذاری تھی۔ لیکن حق گوئی اور بے باکی کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔

اب میں نے ان سے پوچھا "کیا مسلم مجلسِ مشاورت کا قیام ہندوستانی مسلمانوں کے مفاد میں ہے۔؟"

اور میرا یہ سوال سنکر پہلے وہ چونکے اور پھر ایک دبی دبی مسکراہٹ ان کے لبوں پر اس طرح پھیل گئی۔ جیسے بند کمرے میں سورج کی کرن کسی باریک سوراخ سے داخل ہو جائے۔

انہوں نے میرے سوال کے جواب میں کہا "مسلم مجلسِ مشاورت جن مقاصد کی بنیاد پر عالمِ وجود میں آئی تھی وہ مقاصد نہایت اہم ہیں اور اس لحاظ سے اس مجلس کی ضرورت آج پہلے سے بھی زیادہ ہے۔ ان مقاصد کا خلاصہ یہ ہے کہ شکوہ و شکایت کے بجائے مسلمان اپنے اندر سے احساسِ کمتری دُور کریں، اور اپنی آواز کو مؤثر بنائیں، جان دار بنائیں اور اسلام و نیز مسلمانوں کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، ان کو وسیع پیمانے پر دُور کرنے کی کوشش کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر احتیاط کے ساتھ ان مقاصد کے لئے کام کیا جائے اور مسلم مجلس مشاورت صحیح معنوں میں ایک اجتماعی مشاورت کی تنظیم بن جائے تو اس کی حیات نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ پورے ملک کے لئے مفید ہے۔ کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ مشترک مسائل اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصائب کا حل مشترک غور و فکر کے بعد ہی نکل سکتا ہے۔

مسلم مجلسِ مشاورت کے بارے میں انھوں نے مزید کہا "مجلسِ مشاورت کا نیا دستور آ گیا ہے۔ اور اب اس کی نئی تنظیم کی جا رہی ہے"

مفتی صاحب نے چوں کہ اتحاد و اتفاق کی بات کی تھی۔ اس لئے میں نے ان سے پوچھا "ہندستانی مسلمانوں کا مفاد اتحاد میں ہے۔ پھر جمعیۃ العلماء، جماعتِ اسلامی اور مجلسِ مشاورت متحد ہو کر مسلمانوں کی خدمت کیوں نہیں کرتیں۔ آخر اس اتحاد میں کیا رکاوٹ ہے۔؟"

انھوں نے جواب میں کہا "اس اتحاد میں دو رکاوٹیں ہیں۔ ایک رکاوٹ وہ اندیشے اور توہمات ہیں۔ جن میں جماعتیں عام طور سے مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اور اتحاد کی تجویز سامنے آتے ہی ان کو خود اپنا وجود خطرے میں نظر آنے لگتا ہے۔ دوسری رکاوٹ بڑی نازک ہے۔ اور وہ ہے مذہبی منافرت۔ جس کی بنیاد جماعت اسلامی کی تشکیل کے وقت پڑ چکی تھی۔ اور جو ابھی تک عوام کے ذہنوں میں باقی ہے۔" مفتی صاحب نے مزید کہا "لیکن پھر بھی میری اپنی رائے میں وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ان اندیشوں اور توہمات سے الگ ہو کر مشترک مفاد اور بڑے مقصد کے حصول کے لئے یہ سب جماعتیں ایک ہو جائیں"

اب میں نے ان سے ایک نیا سوال کیا۔ میں نے پوچھا "آپ ہندوستانی وفود کے ساتھ کئی مرتبہ اسلامی ممالک کی سیاحت کر چکے ہیں۔ ہمیں بتائیے کہ وہاں کے عوام ہندستانی مسلمانوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔؟"

مفتی صاحب نے جواب میں کہا "میں پہلی مرتبہ ۱۹۴۹ء میں ایک وفد کے ساتھ حجاز گیا تھا۔ اس وقت میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ پاکستان کے پروپگنڈے سے وہاں کے لوگ اتنے متاثر ہیں کہ ان کو یہ سمجھانا ہی مشکل تھا کہ اب بھی ہندوستان میں کروڑوں مسلمان رہتے ہیں۔ اور ان کی مسجدیں آباد ہیں۔ دوسری مرتبہ میں ۱۹۶۵ء میں انڈونیشیا، ملیشا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سعودی عرب، شام اور اردن گیا تھا۔ اس مرتبہ میں نے عوام کی رائے میں فرق پایا۔ البتہ یہ بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کا جو تسلسل ہے اس کا ان تمام ممالک کے عوام پر بڑا ناگوار اثر ہے۔ میں جب انڈونیشیا گیا تھا تو دراصل مجھے افریقہ اور ایشیائی اسلامی ممالک کی کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے لیڈر کی حیثیت سے شرکت کرنا تھی جو بانڈونگ میں ہوئی۔ میں نے کانفرنس میں تقریر کی۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں کہا۔

"میں مانتا ہوں کہ ہمارے کچھ مسائل ہیں، لیکن ہم ان مسائل کو خود ہی حل کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ اس لئے ہمارے معاملات میں دوسروں کو دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

مفتی صاحب نے کہا "میری اس تقریر کا وہاں کے عوام پر کافی اثر پڑا۔ اور میری یہ تقریر کافی پسند کی گئی۔"

میں نے پوچھا "آپ روس بھی تو گئے تھے، وہاں کے مسلمانوں کا کیا حال ہے؟" انھوں نے جواب دیا "میں نے وہاں بوڑھی عمر کے مسلمانوں کو مذہبی پایا اور نئی نسل کو مذہب سے دور۔ میں نے وہاں یہ محسوس کیا کہ پورا ملک انقلاب کی زد میں ہے۔ میں نے وہاں یہ دیکھا کہ وہاں کسی قسم کی سیاسی آزادی نہیں ہے۔ البتہ ہر مذہب کے ماننے والوں کو آزادی حاصل ہے اور حکومت مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کرتی ہے۔" مفتی صاحب نے مزید کہا "میں نے ماسکو کی ایک مسجد میں جو بالکل نئی بنی ہے امامت بھی کی اور مسلمانوں کو نماز پڑھائی۔ میں نے لینن گراڈ کی ایک مسجد میں بھی جو ترکی کے سلطان عبدالحمید کی بنوائی ہوئی تھی، روسی مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ میں نے روسی مساجد میں جمعہ کی نماز میں نمازیوں کا کافی اجتماع دیکھا اور پوچھنے پر مجھے یہ بتایا گیا کہ عید اور بقرعید کے موقعوں پر یہاں بہت ہی زیادہ مجمع ہوتا ہے۔" مفتی صاحب نے مزید کہا "روس میں اب پہلی سی پابندیاں نہیں رہی ہیں، اور آہنی پردہ ہٹ چکا ہے۔"

© rasailojaraid.com